عبدالاحد رفیق
ریسرچ سکالر

محمد علی قُلی سلیم

محمد علی قُلی سلیم کا شمار ان فارسی شعرا میں شامل کیا جاتا ہے کہ جنھوں نے شاہ جہاں کے دربار میں شعرا کی قدردانی کا حال سُنکر سرزمین ایران کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے الوداع کیا۔ اور ہندوستان میں وارد ہوکر کشمیر کے حسین و جمیل مناظر قدرت کے پیش نظر یہاں آکر مستقل طور پر بُود و باش اختیار کرلی۔ فارسی زبان کے اس عظیم شاعر کے حالات بہت کم ملتے ہیں تاہم جن تذکروں میں سلیم کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے نام یہ ہیں:-

شاہ جہاں نامہ۔ تذکرہ نصر آبادی۔ کلمات الشعرا۔ تاریخ اعظمی۔ تذکرہ کشمیر راشیدی۔ تذکرہ شعرائے متقدمین۔ ریاض الشعرا۔ تذکرہ حسینی۔ مجمع النفائس سرو آزاد۔ آتش کدہ۔ صحف ابراہیم۔ مراۃ آفتاب نما۔ نتائج الافکار۔ شمع انجمن تاریخ حسن۔ بزم تموریہ۔ کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ۔ کشیر از ڈاکٹر صوفی۔

مگر ان تمام تذکروں کے مطالعہ کے بعد بھی اس عظیم انسان دوست شاعر کی زندگی کا کوئی پہلو نمایاں نہیں ہوتا۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ شبلی جیسے بالغ النظر مؤرخ و محقق و نقاد نے بھی علی قلی سلیم کی شخصیت اور شاعری کو نظر انداز کردیا ہے۔ حالاں کہ فارسی زبان شعر و ادب کے ارتقاء میں سلیم نے اپنا اہم رول ادا کیا ہے۔ آپ کا شمار کشمیر کے اُن چوٹی کے فارسی شعرا میں کیا جاتا ہے جنھوں نے کشمیر میں فارسی شعر و ادب کی دل کھول کر آبیاری کی ہے۔ محمد علی قلی نام۔ سلیم تخلص۔ تہران وطن۔ تاریخ پیدائش معلوم نہیں۔ شعر و ادب کے معرکے ملّا واحب قندھاری[1]۔ ملا صبوحی

---

[1] واصب شعرش آتش در دل ارباب وجد و حال می زند۔ ازبسکہ درد آمیز است۔ جوہر بر داغ کے جگر اصحاب کمال کار نمک میکند۔ ازبسکہ سودہ الماس بیز است ؎

تا آتش بردہ و خون جہانی خوردہ میاید
حذر ای جان! آں طوفان آتش بردہ میاید

([illegible] ۳۲)

Scanned with CamScanner

مرزا عبداللہ وزیر لاہیجان سے ہوتے رہے۔ چناں چہ لاہیجان کی تعریف و توصیف میں ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ رَیّے کے علاقہ میں شادی کی اور ایک لڑکا بھی تولد ہوا۔ پھر مرزا ابوالحسن نے علی قلی سلیم کو امام قلی خان کی خدمت میں پہنچادیا اور امام قلی خان کے دربار میں غیر سنجیدگی کے ساتھ باتیں کرنے کیوجہ سے امام قلی خان اس سے ناراض ہوا۔ واقعہ یوں ہے کہ امام قلی خان کے دربار میں حقہ نوشی کی عام اجازت نہیں تھی۔ مگر سلیم کی قدردانی کرتے ہوئے امام قلی خان نے مہمان کی عزّت افزائی کے لئے کہا کہ مہمان کو حقّہ پیش کیا جائے۔ دربار کا قلیانچی خاصا جسیم تھا سلیم نے یہ شعر کہا ؎

چوں خان قوی جثہ و مرطوب بود[۱]   درخانہ نہ گنجد ای ماند ہمہ چیز

یہ شعر سنکر امام قلی خان ناراض ہوا اور سلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اہلِ دربار کی استدعا پر کچھ نقد و جنس دیگر مالا مال کیا[۲] لیکن اپنے دربار میں رہنے کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد سلیم شیراز کے راستے سے ہندوستان آیا اور مغلیہ دربار کا رُخ کیا۔ اور اپنی قسمت آزمائی کے لئے تگ و دو شروع کی۔ شاہ جہاں کے دربار میں آنا جانا شروع کیا۔ یہاں شعرا کا ایک بڑا ہجوم موجود رہتا تھا جس میں ابوطالب کلیم ملک الشعرا۔ حاجی جان محمد قدسی، ظفر خان احسن، طاہر آشنا۔ محمد حسین آشوب، عماد الدین میر الہٰی۔ آمی شیرازی، مرزا صائب، ملّا شیدا، حکیم حاذق گیلانی، سعیدائے گیلانی، مرزا رضی دانش، رفیع قزوینی، چندر بھان برہمن، شکراللہ شیرازی باقیا نائینی، حکیم مسیح کاشی، میر صیدی طہرانی، محمد امین قزوینی اور قاضی محمد اسلم شامل تھے[۳] غرض یہ اس عہد کے ہندوستان کے آسمانِ ادب کی ایک پوری تابناک اور درخشاں کہکشاں تھی

---

[۱] کذافی الاصل۔ تذکرہ راشدی ج ۱۔ ص ۳۸۹

[۲] صحف ابراہیم ص ۱۸۲

[۳] بزم تیموریہ ص ۱۷۸

(بقیہ فٹ نوٹ ۱ صہ ۱۲۸) شاید ایں ہماں واصب قندھاری باشد کہ ہمراہ محمد قلی سلیم در لاہیجان بملازمت میرزا عبداللہ بسر میبرد و ممکن است کہ ہمراہ قلی سلیم در کشمیر ہم وارد شدہ باشد۔ حاشیہ از راشدی۔ تذکرہ اصلح ص ۵۰۰

جب شاہ جہاں نے سلیم کو اپنے دربار میں دیکھا تو اس کے احوال کے بارے میں ابوطالب سے پوچھ تاچھ کی۔ ابوطالب کلیم نے موقعہ غنیمت جان کر عرض کیا حضور سلیم شاعر تو اچھا ہے لیکن کم مایہ ہے [1] اور اس کی دلیل یہ بیان کی کہ سلیم نے ایک مثنوی گیلان کی تعریف میں لکھی تھی اور پھر ہندوستان آکر یہی مثنوی کشمیر کی تعریف میں پیش کی اور اگر وہ کم مایہ شاعر نہ ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتا بلکہ ایک تازہ مثنوی لکھتا! اس کے بعد شاہ جہاں نے سلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ کلیم کی اس حرکت پر سلیم سخت رنجیدہ ہوا۔ چناں چہ سلیم نے ذیل کے شعر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

بریدہ بود ازاں طور پای ہمت من　　　کہ گر عروج کند کار من کلیم شوم

اور پھر سلیم کی خودداری اور ہمت نے اُسے اجازت نہ دی کہ وہ شاہی دربار میں بے عزتی کے ساتھ آتا رہے۔ اس کے بعد سلیم اسلام خان کی رفاقت میں رہنے لگا۔ چناں چہ سلیم نے اسلام خان کی تعریف میں بہت سے قصاید لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ممدوح کا بڑا مقرب رہا ہے [2] سلیم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دوسرے شعرا کے مضامین چرا کر اپنے اشعار میں باندھتا تھا اور تازہ مضامین باندھنے میں کوئی ہنرمندی نہیں دکھائی ہے۔ صاحب ریاض الشعر نے

---

[1] صحف ابراہیم ص ۱۸۲　[2] اسلام خان اورنگ زیب کا اتالیق بھی تھا۔ اپنی ذاتی قابلیت کیوجہ سے وہ بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز رہا۔ جنگ تخت نشینی میں دارا اور شجاع کیخلاف لڑائیوں میں بہت ہی مفید خدمات انجام دیں۔ عالمگیر نے خوش ہو کر اسکو اچھے عہدے دیئے۔ چوتھے سال جلوس اورنگ زیب میں وہ کشمیر کا اور چھٹے سال جلوس میں الہ آباد کا گورنر مقرر ہوا تھا۔ اسلام خان شاعر بھی تھا اور روالا تخلص کرتا تھا اور پنج ہزاری وسہ ہزاری سوار کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ مگر اسی سال وفات پائی۔ ماثر الامرا میں ہے "اسلام خان خالی زکمال نبود واشعار آبدار از جو طبع نکتہ بارش تراوش می کرد

بے تو شام غم بروزما شبخون می زند　　　مردم چشمم زگریہ غوطہ درخون می زند

وسعتے پیدا کن اے صحرا کہ تب درغمش　　　لشکر آخر من از دل خیمہ بیرون می کند

(ماثر الامراج ا ص ۲۲۰ بحوالہ بزم تیموریہ)

Scanned with CamScanner

لکھا ہے:

"گویند در اخذ معانی ید طولیٰ داشتہ" آگے چل کر صاحب ریاض الشعرا فرماتے ہیں
اما خوذ ہم مضامین برجستہ بسیار دارد"[1]

مگر حقیقت یہ ہے کہ سلیم ایک اچھا شاعر تھا اور وہ اچھے اور برجستہ اشعار سے بھرپور مضامین کی اختراع بھی کرتا رہا ہے۔ چوں کہ بدمزاج اور زودرنج تھا اس لئے اکثر اوقات وہ اپنے دوستوں کو ناراض کرتا تھا۔ اس کے دوست بھی اس کے دشمن بن جاتے تھے۔ اسطرح وہ شاعرانہ صلاحیتوں کے باوجود اپنے دور میں اس قدر مقبول نہ ہوسکا جس قدر وہ اس کا مستحق تھا وہ حد سے زیادہ خود دار اور خود پرست تھا۔ اور اپنے ہم عصر شعرا پر چوٹیں بھی کرتا رہتا تھا

نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی کثرت کیوجہ سے اس کے اشعار میں ابہام پیدا ہوگیا جو اس دور کی نمایاں خصوصیت ہے۔ سرو آزاد کے مصنف نے سلیم کو اعلیٰ پایہ کا نکتہ سنج اور فہم و ادراک کی رُو سے بلند مرتبہ شاعر تسلیم کیا ہے اور طبع سلیم اور ذہن مستقیم کا مالک قرار دیا ہے۔ سلیم سلاستِ بیان میں ممتاز تھا اور نازک خیالی میں وہ بے نظیر تھا۔ اسکی مثنویاں بڑی رنگین ہیں۔ حسن کاری میں اس کا رتبہ بلند ہے۔ الفاظ کی نشست بندی، سلاست، روانی، برجستگی، شگفتگی، انداز بیان، اسلوب اور لہجے نے غزل کو ایک نیا آہنگ اور نئی شان بخشی ہے[2] اگرچہ غزل کی ہیئت اور روایت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ غزل اور قصیدے کے علاوہ سلیم نے مثنویاں لکھی ہیں۔ ایک مثنوی قضا و قدر کے نام سے مشہور ہے ایک مثنوی کشمیر کی تعریف میں ہے۔ سلیم صاحب دیوان شاعر تھا[3] سلیم کی غزلوں کا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

تنہا ہمیں زلف تو بسیار دراز است ؛ مژگان تو ہم چوں شب بیمار دراز است

حاجت بگل ندارد آں گل کہ کج کلاہ است ؛ در خواب چیف باشد چشمی کہ خوش نگاہ است

تا وجہ می نباشد نتواں سوی چمن رفت ؛ برمن نظارۂ گل، دیدار قرض خواہ است

---

[1] ریاض الشعرا بحوالہ راشدی ج ا ص ۳۸۶ [2] سرو آزاد ص ۷۷ بحوالہ تذکرہ راشدی ج ا ص ۲۰۴ [3] کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ از سروری ص ۱۲۸

نوبہار است، وچمن درپی، سامان گل است ؛ ابر بر روی ہوا دودِ چراغانِ گل است
رشکم، زگفتگوی تو، خاموش میکند ؛ نامت نمی برم کہ دلم گوش میکند
نیک و بد زمانہ، بروں کردہ ام، ز دل ؛ آئینہ ہرچہ دید، فراموش میکند!!

تا چند دیر و کعبہ مخوان ایں فسانہ را — ہمچو کمان حلقہ یکی کن دو خانہ را!
بفکر عشق بنازم، کہ خوب پیدا کرد — برای قفل جنون پر دہ بیاباں را!
سایۂ بخت مرا، افسر شاہی باشد — مرہم داغ دلم، برق سیاہی باشد
فتنۂ دور جہاں، نیست بتحریک کسی — بحر را، موج نہ از جنبش ماہی باشد
از دیر و کعبہ تا بد و جانب دو خانہ ماند — چوں قبضۂ کمان دل من در میانہ ماند
رفتم ازیں خرابہ، واز ضعف سایہ ام — ہمچون نشان دود بدیوار خانہ ماند[1]

سلیم نے رباعیاں بھی لکھی ہیں اور ان میں بھی اُستادانہ رنگ پایا جاتا ہے۔ ذیل کی رُباعی ملاحظہ فرمایئے[2]

مہری بدلم چو نور در باصرہ!!! — شوری بسرم چو دود در مجمرہ
در بزم زمانہ بی نوائیم ای کاش — مطرب ز برای من کشد دائرہ

فارسی شاعری کی تاریخ میں کلیم، صائب اور غنی کشمیری نے فنِ تمثیل کو خوب ترقی دی۔ یہ تینوں شاعر کشمیر میں بقول شبلی ہمدم و ہم قلم رہے ہیں۔ ان کے درمیان باہم مشاعرے بھی ہوا کرتے تھے۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جولانگاہ بنا دیا۔ علی قلی سلیم بھی مثالیہ میں کمال رکھتا ہے[3]

سلیم کے چند مثالیہ شعر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

یار ما، باہمہ جہاں یکرو است — شمع را، پشت و رو، نمی باشد
معذورم اگر داغِ جنوں برسرمن نیست — گل برسر ماتم زدگان خوب نباشد
از پریشانی، نباشد اضطراب عاشقان — شعلہ گر لرزد نہ پنداری کہ سرما میخورد
پس از مردن سلیم، از عشق آزادی مگر یابد — نیفتد بر کناری تا غریق بحر جاں دارد

---

[1] تذکرہ راشدی جلد اول ص ۳۸۱، ۳۸۲ بحوالہ تذکرہ نصرآبادی ص ۲۷ [2] تذکرہ راشدی جلد اول ص ۳۸۳ بحوالہ تذکرہ نصرآبادی ۲۲۷ [3] شعر العجم از مولانا شبلی ج ۳ ص ۱۹۶، ۱۹۷ مطبوعہ معارف اعظم گڈھ ۱۹۵۶

روز گارم قدر نشناسد ز نادانی، اگر طفل — گنجنامہ گر بیابد کاغذ بادش کند

نصیبی نیست بقائی، شگفتہ طبعاں را — رسد بعمر طبیعی، چوں می دو سالہ شود

انجام ایں جہاں، چہ تمنا کنی، سلیم! — طفل، انتظار آخر افسانہ میکشد

ز شور عندلیباں سرو و گل، در رقص می آیند — چمن رنگ دگر پیدا کند چوں باغبان گم شد[1]

علی قلی سلیم نے صائب پر مضامین کے سرقہ کرنے کا الزام لگایا ہے۔ لیکن ایک بالغ نظر ہی جانتا ہے کہ صائب متاخرین شعرا میں پختہ طبع اور پُر مایہ شاعر ہے اور بقول مولانا شبلی مرزا صائب کا خاص انداز تمثیل ہے۔ تمثیل کا طریقہ پہلے بھی تھا لیکن صائب نے اس کثرت سے اسکو برتا کہ تمثیل اس کی خاص چیز ہو گی۔ اس کے علاوہ اور شعرا بھی تمثیل کو اپنے کلام میں برتتے تھے۔ مگر صائب نے اسے اخلاقی مضامین کے لئے خاص کر دیا۔ جا بجا خیال بندی اور مضمون آفرینی بھی پائی جاتی ہے[2] لہذا علی قلی سلیم کا یہ خیال درست نہیں ہے۔ البتہ صائب نے دوسرے شعرا کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں

سلیم کا رنگ انفرادیت کا حامل ہے۔ بعض مضامین ہیں وہ اگرچہ دوسرے شعرا کے ساتھ اشتراک رکھتا ہے تاہم اسکو سرقہ پر محمول کرنا بعید از انصاف ہے۔ نتایج الافکار کے مصنف کا کہنا ہے کہ سلیم ایک خوش فکر شاعر ہے۔ سلاست اور سخن فہمی میں وہ یگانۂ روزگار ہے۔ اس کے کلام میں متانت بھی ہے اور طراوت بھی، نظم طرازی میں وہ ممتاز زمانہ سمجھا جاتا ہے اور شاعری کے بازار میں گوناگوں مضامین کے دوکان سجانے کا اچھا سلیقہ رکھتا ہے۔ نتایج الافکار کی عبارت ملاحظہ ہو؛

" بسلاست طبع در سخن پردازی یگانہ — و متانت کلام در نظم طرازی ممتاز بود

اشعار دلپذیرش گرم ساز بازار سخن و خیالات بنیطرش مقبول ارباب فن[3]

سلیم کے یہ چند شعر ملاحظہ فرمایئے ؎

بصورت تو، بتی کہ آفریدہ خدا — ترا کشیدہ و دست از قلم کشیدہ خدا

---

[1] تذکرہ راشدی جلد ا ص ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵ بحوالہ مجمع الفائس (ص ۹۳-۷۷)

[2] شعر العجم جلد ۳ ص ۱۸۱ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۶

[3] نتایج الافکار ص ۲۳۲ بحوالہ راشدی جلد ا ص ۴۱۲

ز شوق کردہ ام از بسکہ دست و پا را گم　　عنان کجا است نمی دانم و رکاب کجا

بر شکوہ من خاطر آں ماہ نگہدار　　آئینہ بدست است ترا آہ نگہدار

بیداغ بروں رفتن ازیں باغ شگون نیست　　از لالہ چمن برگی و ہمراہ نگہدار

گلرخاں بیند ہر گہ بر اسیری یک دگر!　　آفریں گوئیند بر ہر زخم تیری یک دگر

سلیم اسلام خان کے ساتھ کشمیر آیا اور کشمیر کی رنگینی اور آب و ہوا کی دلاویزی کا اس قدر شیفتہ ہوا کہ یہیں کا ہو رہا۔ اور سلیم کشمیر کی تعریف میں کہتا ہے

تعالی اللہ ز خاک پاک کشمیر　　کہ گل را کرد صاحب زر چو اکسیر

درو دل ہا ہمیشہ فارغ از غم　　گل سوری بفرق اہل ماتم!

زبس خاکش بمردم مہربان است　　گلش گلہائے بوی مادر است

بصحرائیش گل و لالہ ہم آغوش　　بباغش سرو سبزہ جوش بر جوش

نزاکت، نخل بند ہر گلستان　　رطوبت آبیار، باغ و بستان

کند تا لالہ زارش را نظارہ　　فلک شد سر بسر چشم از ستارہ

چنار کی تعریف میں کیا خوب کہا ہے ؎

ز رعنای چنار او بہ شمشاد　　اگر سیلی زدہ دستش پریزاد

فلک را رفعت او کرد پامال　　ز ماہ نو بپا افگندہ خلخال!

بروں رفتہ ز سرحد زمانہ!　　بشاخش بستہ عنقا آشیانہ

مسیحا از نسیمش خستہ باری　　خضر در سایہ او پا چناری!

اس زمانے میں کشمیر آنے کا راستہ بڑا دشوار گزار تھا۔ بلکہ اکثر راستے ناقابل عبور تھے۔ سلیم نے ان دشوار گزار راستوں کا ذکر اپنے ذاتی تجربے کی بنا پر کیا ہے ؎

رہی پیچیدہ ہمچوں تفل وسواس　　مشقت خیز چوں ایام افلاس

رہی از زلف خوباں پیچش افزوں　　ازیں رہ گشتہ کج رفتار گردوں

رہی در سنگ ہمچوں موج خارا　　درو رہرو چو مرغ رشتہ بر پا

کشمیر کی تعریف میں سلیم نے بہت کچھ کہا ہے۔ ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیم کو کشمیر کے ساتھ عشق تھا اور کئی بار یہاں آیا تھا اور کشمیر سے جدا

ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لئے آخر عمر میں اس نے کشمیر کو اپنا وطن بنایا سہ

سخن ہر جا ز صنع کردگار است گواہ پای بر جا تو کوہسار است

خصوصاً کوہ گردون قدر کشمیر کہ تیغش می زند بر ابر کشمیر

شالیمار باغ کی تعریف میں کہا ہے

تعالیٰ اللہ ازیں باغ فدای کہ گردد دست در خاکش حنائی

بہار از سبزہائی دلکشائیش چو طوطی ریختہ پر در فضائیش

در و قمری نوا آید ز بلبل !!! چراغ لالہ دارد روغن گل!

بجوشش از جوشش گل بلبل ز باغبان چو پروانہ بہ شبہائی چراغان

گلشن از بسکہ شادابست و رنگین شود گلبن از و دامان گل چین

سلیم ایک رقیق القلب اور ہمدرد آدمی تھے۔ اُسکی انسان دوستی اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کشمیر میں بیکس لوگوں، یتیموں اور غریب بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنی ذاتی اخراجات سے کرتا تھا۔ چناں چہ شاہ جہاں نامہ میں اُن کے متعلق کہا گیا ہے:

"ازیں رہگذر کہ باعتقاد بعضی عزیزان، گاہ، گاہی فرزندان طبع بعضی عزیزان را کہ یتیم ماندہ اند، بہ پسر خواندگی برمید اردو در تربیت آنہا کوشیدہ لباس فاخرہ بپوشانیدہ برز بانہا اُفتادہ، اکثر ارباب سخن در فرزندان معنوی او نیز سخن دارند، و گمان شان بلکہ یقین آنست کہ، آنہا نیز پسر خواندہ اند، کہ ایشاں را زبان دادہ"۔

سلیم کے مقبرے کے بارے میں ریاض الشعرا میں لکھا ہے کہ وہ برہان پور میں دفن ہے۔

"در دکن فوت شدہ و در برہانپورہ مدفون است" مگر یہ غلط ہے۔ سلیم کشمیر میں بمقام کوہ سلیمان سرنگر دفن ہے۔ تمام تذکرہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ سرنگر میں دفن ہوا ہے۔

کوہ سُلیمان کے دامن میں متصل پل در گجن شعرائے کشمیر کا مقبرہ ہے اسمیں طغرا مشہدی، سلیم، کلیم، قدسی اور دیگر شعرائے فارسی مدفون ہیں

غنی کاشمیری نے جو سلیم کا ہمعصر تھا کشمیر میں کلیم کی وفات پر جو قطعہ لکھا ہے اُس میں سلیم کی وفات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تینوں شاعر سلیم، قدسی اور کلیم ایک ہی جگہ دفن ہوئے۔ چناں چہ ذیل کے قطعہ سے جو غنی کشمیری نے ابوطالب کلیم کی وفات پر کہا ہے اسکی طرف اشارہ ملتا ہے۔

حیف کز دیوار ایں گلشن پرید — طالبا آں بلبل باغ نعیم
رفت و آخر خامہ را از دست داد — بے عصا طی کرد ایں راہ کلیم
اشک حسرت چوں نمی ریزد قلم — شد سخن از مردن طالب یتیم
ہر دم از شوق دل اہل سخن — چوں زبان خامہ میگردد دو نیم
عمرہا دریا داد زیر زمین!! — خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاق یکدگر! — گشتہ اند ایں ہر سہ در یکجا مقیم
گفت تاریخ وفات او غنی — طور معنی بود روشن از کلیم[1]

صحف ابراہیم کے مؤلف کا بھی بیان ہے

"در کشمیر بدامن کوہی کہ مشہور بہ تخت سلیمان است مدفون شدہ"[2]

سلیم نے ۱۰۵۷ھ مطابق ۱۶۴۷ء میں وفات پائی۔

---

[1] دیوان غنی از ملا محمد طاہر غنی کشمیری مطبوعہ جموں اینڈ کشمیر اکادمی ۱۹۶۴ء

[2] صحف ابراہیم ص ۱۸۴ ب بحوالہ راشدی ج ۱ ص ۴۱۱۔